پاکستان میں انتخابی سیاست کا پس منظر اور ۲۰۰۸ء کے انتخابات تاریخ کے آئینے میں

الطاف اللہ

کسی بھی سیاسی نظام اور جمہوریت کو دوام دینے کیلئے انتخابات ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا طرزِ عمل ہے جس کی بدولت کسی بھی آزاد ریاست کے شہری اپنے مرضی اور منشاء کے مطابق اپنے لئے سیاسی نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ منتخب ہو کر یہ نمائندے لوگوں کی رائے اور معیار کے مطابق حکومت کو چلاتے ہیں۔ اس رسمی طرزِ عمل کو سیاسی زبان میں انتخابات کا نام دیا جاتا ہے۔ الیکشن یا انتخابات ایک ریاست کے شہریوں کو بنیادی فورم مہیا کرتی ہے تاکہ وہ اپنے سیاسی آواز کو اٹھا سکیں اور ایسے فیصلوں میں بلواسطہ شرکت کریں جو اُن کے زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تمام جمہوری عمارتوں کی بنیاد آزاد، شفاف اور غیر جانبدار انتخابات پر ہوتی ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی تخلیق برصغیر کی مسلمانوں کی انتخابی سیاست اور رائے دہی کے نتیجے میں قیام پذیر ہوئی۔ جب برصغیر کی تقسیم پر رضامندی ہوئی تو یہ ضروری ہوگیا کہ پاکستان کیلئے ایک الگ آئین ساز اسمبلی قائم کی جائے۔ یہ آئین ساز اسمبلی صوبائی اسمبلیوں کے نمائندوں کی آپس میں انتخابات کے نتیجے میں وجود میں آئی جو پاکستان کی پہلی پارلیمنٹ بن گئی۔ اسمبلی نے دوہری حیثیت سے کام کیا ایک تو اس کو ملک کیلئے نیا آئین بنانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ دوسرا یہ کہ جب تک ملک کیلئے نیا آئین اور منتخب اسمبلی نہ بنے۔ تب تک یہ اسمبلی وفاقی قانون ساز ادارے کے طور پر کام کریگی۔ قائداعظمؒ جو کہ صدر کے عہدے کے واحد امیدوار تھے، کو آئین ساز اسمبلی نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو اسمبلی کا صدر منتخب کیا۔ اگرچہ اس اسمبلی نے آئین سازی کیلئے انتھک جدوجہد کی مگر کچھ ناخوشگوار حالات کے بنا پر یہ اسمبلی کو نیا آئین دینے دمیں ناکام رہی۔ اس ضمن میں ملک کو نیا آئین دینے کا سہرا دوسری قانون ساز اسمبلی کو جاتا ہے جس نے تقریباً ۹ مہینے بعد اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور اس طرح ۱۹۵۶ء کا آئین وجود میں آیا۔

نئے آئین کے مطابق ملک میں عام انتخابات کا انعقاد دو سال کے اندر اندر عمل میں لانا تھا۔ مگر حکمران طبقہ اس عمل کو مؤخر کرنے کے چکر میں تھا تاہم انتخابات کو مسلسل التواء میں رکھنا اور ساتھ ساتھ جمہوری عمارت اور ڈھانچے کو برقرار رکھنا مشکل ہوگیا۔ اسی لئے ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو انتخابات منعقد ہونے سے کچھ عرصہ قبل سکندر مرزا (صدر پاکستان) نے جمہوریت اور جمہوری

عمل پر کاری ضرب لگاتے ہوئے مارشل لاء کا نفاذ کیا، آئین کو منسوخ کر دیا اور انتخابات ملتوی کر دیئے۔ تین ہفتے سے بھی کم عرصہ بعد آرمی کے کمانڈر جنرل ایوب خان، جس نے پاکستان کا انتظام اگلے دس سالوں کیلئے "Guided Democracy" کے تحت چلاتا تھا، نے سکندر مرزا کو برطرف کر دیا۔

ایوب خان نے مئی ۱۹۵۹ء میں ''بنیادی جمہور کا منصوبہ'' پیش کیا۔ اس منصوبے کے تحت اسی ہزار (جسے بعد میں ایک لاکھ بیس ہزار کر دیا گیا) بنیادی ڈیموکریٹس کا چناؤ کرنا تھا۔ ان کا انتخاب براہِ راست حق بالغ رائے دہی کے بنیاد پر کرنا تھا۔ ان بنیادی ڈیموکریٹس نے آگے جا کر الیکٹورل کالج کے طور پر صدر، قومی اسمبلی کے ممبران اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے اسمبلیوں کے ممبران کو منتخب کرنا تھا۔ اس نظام کے ذریعے مطلوبہ نتائج فروری ۱۹۶۰ء میں حاصل کئے گئے جب ۹۵.۶٪ بنیادی ڈیموکریٹس نے ایوب خان کو پاکستان کا صدر منتخب کیا۔

۱۹۶۲ء میں آئین کے نفاذ کے بعد بنیادی ڈیموکریٹس نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین کا چناؤ غیر جماعتی (Non-Party) بنیاد پر کیا۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۶۵ء بالواسطہ (Indirect) صدارتی انتخابات ہوئے۔ پانچ اپوزیشن جماعتوں نے مشترکہ اپوزیشن بنا کر محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی امیدوار نامزد کیا۔ اُس نے ایوب خان کے سیاسی نظام کو منسوخ کرانے اور پارلیمانی نظام کی بحالی کا وعدہ کیا۔ جبکہ ایوب خان نے ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں قوم سے ملک میں اقتصادی استحکام اور ملکی ترقی کا عہد کیا۔ تاہم ان انتخابات میں ایوب خان نے ۶۳.۳ فیصد ووٹ لے کر برتری حاصل کی جبکہ فاطمہ جناح ۳۴.۴ فیصد ووٹ حاصل کر سکی۔ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات کے بعد جلد ہی قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے انتخابات جماعتی بنیادوں پر منعقد ہوئے۔ جس میں پاکستان مسلم لیگ فنکشنل، جسکی سربراہی ایوب خان کر رہے تھے، کامیاب ہوئی۔ مارچ ۱۹۶۹ء میں ایوب خان کے خلاف عوامی احتجاج برپا ہوا اور چار ماہ مسلسل دباؤ کیوجہ سے آخر کار اُن سے زبردستی استعفیٰ لے لیا گیا اور اگلے فوجی کمانڈر جنرل آغا محمد یحییٰ خان کو اقتدار منتقل ہوا۔

یحییٰ خان نے ۱۹۶۲ء کے آئین کو منسوخ کیا، تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی لگوائی، مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کو تحلیل کیا، مرکزی اور صوبائی کابینوں کو ختم کیا اور پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کیا۔ اُس نے مارچ ۱۹۶۹ء سے لے کر مشرقی پاکستان کے کٹنے اور بنگلہ دیش کے ۱۹۷۱ء میں قیام تک حکومت کی۔ لیکن یہ اعزاز یحییٰ خان کو جاتا ہے کہ ۱۹۷۰ء میں انہوں نے لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت عام انتخابات کروائے[1]۔ اُس نے شہریوں کو یہ یقین دلوایا کہ اُس کا بنیادی مقصد یہ ہوگا کہ طاقت کو سول حکومت کے حوالے کرے۔ انتخابات کے حوالے سے اُس کی باتیں حیران کن اور ناقابل عمل نظر آرہی تھیں۔ تاہم وہ اپنے الفاظ پر قائم رہا اور اگلے سال اپنی نگرانی میں الیکشن کروائے۔ ان انتخابات میں ۲۴ سیاسی جماعتوں اور ۸۰۰ اُمیدواروں نے، جن میں کچھ آزاد اور باقی مختلف پارٹیوں سے منسلک تھے، حصہ لیا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ عام سیاسی جماعتوں کی سیاسی مہم میں جو پہلو سب سے زیادہ حاوی تھی وہ قومی پالیسی تھی نہ کہ علاقائی اور مقامی مسائل۔ مغربی پاکستان کا بنیادی مسئلہ سماجی اور معاشی تھا۔ اور یہ کہ ملکی سرمایہ پورے

ملک میں مساوی طور پر تقسیم ہو۔ ان انتخابات میں لوگوں نے اُمیدواروں کو اہمیت نہ دی اور سیاسی پارٹیوں کے انتخابی منشور کو سامنے رکھ کر ووٹ دیئے۔ اگلے عام انتخابات ۱۹۷۷ء میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے منعقد کرائے۔ اُس نے ۷ مارچ کو قومی اور ۱۰ مارچ کو صوبائی انتخابات منعقد کرانے کا اعلان کیا۔ جنوری ۱۹۷۷ء میں ملک کی تمام بڑی پارٹیوں نے پاکستان نیشنل الائنس (PNA) کے قیام کا اعلان صادر کیا۔ اس اتحاد کا بنیادی مقصد پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار سے ہٹانا تھا۔ انتخابات کے انعقاد سے پہلے ہی انتخاب کا سلسلہ چل پڑا۔ قومی اسمبلی کے ۱۹ اور صوبائی اسمبلی کے ۶۶ ارکان بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔ قومی اسمبلی کے انتخابات میں شکست کے بعد پی این اے نے بھٹو پر دھاندلی کے الزامات لگائے اور ۱۰ مارچ کو ہونے والے صوبائی انتخابات سے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پی این اے نے پی پی پی کے خلاف تحریک شروع کر دی جس نے آنیوالے مہینوں میں زور پکڑ لیا۔ اسی دوران ایک افواہ پھیلی کہ پی پی پی نے پی این اے کے بہت سارے مطالبات مان لیے۔ ملکی سیاست ایک نازک صورتحال اختیار کر گئی جس کی بناء پر فوج کو ایک بار پھر سیاست میں مداخلت کرنی پڑی اور بھٹو کا تختہ اُس وقت کے فوجی کمانڈر نے اُلٹ دیا۔ جنرل ضیاء الحق نے عوام کو یہ یقین دہانی کرائی کہ ۹۰ دِن کے اندر اندر الیکشن کرایا جائیگا۔ لیکن بعد ازاں اُس نے انتخابات کو منسوخ کر دیا کیونکہ یہ عمل ایک بار پھر پی پی پی کو اقتدار میں لا سکتا تھا۔ اسی خاطر ضیاء الحق نے قومی اور صوبائی انتخابات کو پس منظر میں رکھ کر ایوب خان کی حکمت عملی اپناتے ہوئے بلدیاتی انتخابات کرائے تاکہ لوگوں کی توجہ قومی سطح کے مسائل سے ہٹ جائے۔[۲]

دسمبر ۱۹۸۴ء میں ضیاء نے ایوب خان کی دوسری حکمت عملی اپنائی اور صدارتی ریفرنڈم کو منعقد کرایا۔ ریفرنڈم کی نوعیت عجیب تھی۔ اس ریفرنڈم میں ووٹروں سے پوچھا گیا کہ ''کیا وہ پاکستانی قانون اسلام کے اصولوں کے مطابق چاہتے ہیں اور یہ کہ کیا وہ چاہتے ہیں کہ طاقت سول حکومت کو منتقل کی جائے'' اگرچہ ریفرنڈم کا ٹرن آؤٹ ۱۰ سے ۱۵ فیصد تک رہا۔ اور بہت سی بے قاعدگیوں کے الزامات بھی لگائے گئے۔ مگر ضیاء الحق نے ذاتی تشریحات کرتے ہوئے بتایا کہ ۹۷.۷ فیصد ووٹ ''ہاں'' میں آئے جس کا مطلب تھا کہ وہ مزید ۵ پانچ کیلئے پاکستان کے صدر رہیں تاکہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کو ممکن بنا سکیں۔ ریفرنڈم کے بعد اُس نے پارلیمانی اور صوبائی اسمبلیوں کیلئے انتخابات کا انعقاد بالترتیب ۲۵ اور ۲۸ فروری ۱۹۸۵ء کو کرایا۔ ان انتخابات میں ضیاء نے غیر جماعتی انتخابات کی حکمت اس لیے اپنائی تاکہ سیاسی جماعتوں کو مقابلہ میں حصہ لینے سے باز رکھ کر عوام کو سیاسی طور پر متحرک ہونے سے روک سکے۔

کئی وجوہات کی بناء پر ۱۹۸۵ء کے انتخابات اہم تھے۔ پہلا یہ کہ اِن انتخابات نے پارلیمانی جمہوریت کی بحالی اور مارشل لاء کے درمیان ایک پل کا کام سرانجام دیا۔ دوسرا یہ کہ وہ سیاسی شخصیات جو پہلے صرف مقامی یا علاقائی سطح پر سیاسی میدان میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے تھیں، قومی اور صوبائی سطح پر نمودار ہو گئیں۔ وزیر اعظم محمد خان جونیجو اور منتخب قومی اسمبلی بشمول سینٹرز کو ضیاء الحق نے اِس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آئین میں آٹھویں ترمیم کریں۔ اس ترمیم نے صدر کے پارلیمانی اختیارات کو

بہت بڑھا دیا۔صدر کے پاس اسمبلیاں توڑنے کا اختیار آگیا۔ یہ وہ سیاسی اور آئینی طاقت تھی جس نے بعد میں آنے والے چار منتخب اسمبلیوں کو تحلیل کیا۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو آٹھویں ترمیم کے بعد ضیاء نے مارشل لاء کا خاتمہ کیا۔

مئی ۱۹۸۸ء کو ضیاء الحق نے غیر متوقع طور پر وزیر اعظم جونیجو اور اسمبلی کو تحلیل کیا۔ ضیاء نے اسمبلی توڑنے کی وجہ حکومت کی اقتصادی خرابیوں، رشوت ستانی اور اسلامی نظام کے نفاذ میں حائل رکاوٹوں کو گردانا۔ اُس نے اعلان کیا کہ نومبر ۱۹۸۸ء میں غیر جماعتی انتخابات منعقد ہونگے۔ ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو کراچی کے قریب ایک پراسرار ہوائی حادثے میں ضیاء الحق بمعہ چند اعلیٰ جرنیلوں اور امریکی سفارتکار جاں بحق ہوئے۔ [۳] اُس کی موت کے بعد سپریم کورٹ نے ضیاء الحق کے اس اقدام کو کہ انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر ہونگے غیر آئینی قرار دے کر منسوخ کیا۔

جنرل ضیاء الحق کے بعد چیئر مین سینٹ غلام اسحاق خان نے نگران صدر کا عہدہ سنبھالا اور نومبر ۱۹۸۸ء میں ہونے والے انتخابات کی نگرانی کی۔ اِن انتخابات میں پی پی پی نے ۹۳ اور آئی جے آئی نے ۵۴ نشستیں حاصل کیں۔ اس کے نتیجے میں بے نظیر بھٹو پاکستان کی وزیر اعظم منتخب ہوئی۔ یہ حکومت اپنی مدت پوری کرنے سے قبل غلام اسحاق خان نے اِسے کرپشن، بدعنوانی، نااہلی اور طاقت کا ناجائز استعمال کی بناء پر ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو معطل کر دیا۔ اگلے انتخابات ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو منعقد ہوئے جس میں آئی جے آئی کو واضح برتری حاصل ہوئی۔ آئی جے آئی کو قومی اسمبلی میں ۱۰۵ نشستیں حاصل ہوئیں۔ جبکہ پی پی پی اور اس کے اتحادیوں کو صرف ۴۵ نشستیں حاصل ہوئیں ان انتخابات کے نتیجے میں میاں نواز شریف وزیر اعظم بن گئے۔ اُس کی حکومت اپریل ۱۹۹۳ء تک اقتدار میں رہی اور تقریباً دو سال اور پانچ مہینے بعد صدر غلام اسحاق خان نے نواز شریف کی حکومت کو برطرف کر دیا۔ اگلے عام انتخابات ۱۹۹۳ء میں منعقد ہوئے۔ جس میں پی پی پی نے قومی اسمبلی کی ۲۰۲ نشستوں میں سے ۸۶ نشستیں جیتیں۔ جبکہ پاکستان مسلم لیگ (ن) نے ۷۳ اور ۶ نشستیں پاکستان مسلم لیگ (ج) نے حاصل کیں۔ محترمہ بینظیر بھٹو ایک بار پھر وزیر اعظم بن گئی۔ یہ حکومت ۵ نومبر ۱۹۹۶ء تک برسرِ اقتدار رہی۔ اور پھر صدر پاکستان فاروق احمد خان لغاری نے اسے برطرف کر دیا عام انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔

۱۹۹۷ء کے انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ (ن) نے بھاری اکثریت حاصل کی اور نواز شریف نے دوسری مرتبہ وزیر اعظم کا عہدہ لیا۔ حلف اٹھانے کے بعد وہ اپنے اختیارات کو مضبوط کرنے کیلئے اسمبلی سے دو تہائی اکثریت کے ذریعے آٹھویں ترمیم کو ختم کرنا چاہتا تھا کہ صدر سے اسمبلیوں کی تحلیل کرنے کے غیر معمولی اختیارات لے لئے جائیں۔ آٹھویں ترمیم کے مسئلے پر صدر لغاری اور نواز شریف کے درمیان اختلافات شدّت اختیار کر گئے اور مسئلہ چیف جسٹس تک پہنچ گیا۔ نواز شریف پر یہ الزامات عائد کئے گئے کہ وہ چیف جسٹس کی تقرری میں مداخلت کر رہے تھے۔ اسی لمحہ آرمی کے ساتھ معاملات اُس وقت نہایت کشیدہ ہوگئے۔ جب آرمی کے سربراہ جہانگیر کرامت نے ایک تقریر میں پاکستان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کو بہتر بنانے کیلئے نیشنل سکیورٹی کونسل کی تقرری کا مشورہ دیا اور یہ کہ اس کونسل میں خاصی فوجی نمائندگی کا ہونا ازحد ضروری ہے۔ جب یہ اطلاع وزیر اعظم

تک پہنچی تو اُس نے تینوں مخالفین یعنی صدر، چیف جسٹس اور آرمی چیف کو معطل کر دیا اور پرویز مشرف کو چیف آف دی آرمی سٹاف مقرر کیا۔ تاہم یہ تعلق بھی جولائی ۱۹۹۹ء میں اُس وقت خراب ہوا جب مشرف نے مقبوضہ کشمیر میں کارگل پر چڑھائی کی۔ نواز کا موقف تھا کہ کارگل کی جنگ کے بارے میں اُس سے صلاح و مشورہ نہیں لیا گیا تھا۔ اُس نے چند سینئر فوجی افسران سے مل کر پرویز مشرف کے خلاف کارروائی شروع کی۔ ۱۲ اکتوبر کو جب پرویز مشرف سری لنکا کے سرکاری دورے پر تھے تو نواز شریف نے انہیں معطل کیا اور ضیاء الدین کو نیا آرمی چیف مقرر کیا۔ جبکہ ضیاء الدین مرتبے کے لحاظ سے پیچھے تھے۔ کور کمانڈروں نے جب وزیرِ اعظم کی یہ اقدام دیکھا تو انہوں نے مشرف سے رابطہ کیا اور التجا کی کہ حکومت کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ نواز شریف نے اُس جہاز کو، جس میں پرویز مشرف وطن واپس آ رہے تھے، اُترنے سے روکا لیکن فوج نے تمام اہم تنصیبات پر قبضہ کر لیا تھا مشرف کے جہاز کو بحفاظت اُتارا گیا اور نواز شریف کو گرفتار کیا گیا۔ جنرل مشرف نے ملک کا اقتدار سنبھالا لیکن مارشل لاء لاگو نہیں کی۔ اُس نے اپنے عہدے کو ''چیف ایگزیکٹیو'' کا نام دیا۔ قومی اور صوبائی حکومتوں کو برطرف کر دیا گیا۔ اور آئین کو معرضِ التواء میں رکھا۔[۴]

۱۲ مئی ۲۰۰۰ء کو نئی قائم کی گئی سپریم کورٹ نے مشرف حکومت کی قانونی حیثیت کو پرکھنے کیلئے دائر کی گئی درخواست پر فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ مشرف کو حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا اُس وقت کی ضرورت تھی۔ اسی طرح ایک بار پھر ''نظریہ ضرورت'' کے استعمال کو عمل میں لایا گیا۔ تاہم فیصلے میں یہ امر واضح کیا گیا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو ماسوائے چند دفعات کے بحال رکھا جائیگا۔ اس طرح چیف ایگزیکٹو کو آئین کے اہم نکات کی ترمیم سے بھی روکا گیا۔ وہ اہم نکات عدلیہ کی خودمختاری، وفاقی اور پارلیمانی طرزِ حکومت اور بنیادی حقوق کی پاسداری تھیں۔ اس کے علاوہ تین سال کے اندر اندر عام انتخابات کے انعقاد کا بھی ذکر تھا۔ عدالت عظمٰی کے فیصلے کے جواب میں پرویز مشرف نے کہا کہ وہ عدالت کے فیصلے کا احترام کرینگے۔ نواز شریف پر عدالت میں ہوائی جہاز کے اغواء کرنے کا مقدمہ چلایا گیا اور بالآخر سزا کے طور پر اُس کو ملک بدر کر کے سعودی عرب بھیج دیا گیا۔[۵]

ایوب خان اور ضیاء الحق کی طرح جنرل مشرف نے چیف ایگزیکٹو آرڈر جسے ریفرنڈم آرڈر کہا گیا۔ ۹ اپریل ۲۰۰۲ء کو جاری کیا۔ سرکاری مشینری مشرف کے ریفرنڈم کی حمایت میں کچھ اقدامات بروئے کار لائی۔ مثال کے طور پر ووٹروں کی تعداد میں اضافہ کرنے کیلئے انتخابی فہرستوں کے بجائے ووٹروں کو کہیں بھی ووٹ ڈالنے کا اختیار، ووٹ ڈالنے کیلئے اصل شناختی کارڈ ختم کر کے فوٹو کاپی قابلِ قبول کرنا، قابلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح حکومتی مشینری کو بڑی حد تک مشرف کی انتخابی مہم میں استعمال کیا گیا۔ ۳۰ اپریل ۲۰۰۲ء کو پاکستانی ووٹروں کو ''ہاں'' یا ''نہیں'' میں اپنا موقف ظاہر کرنا تھا۔ ریفرنڈم میں لوگوں سے جو سوال پوچھا گیا وہ یہ تھا۔ کہ ''کیا آپ صدر پرویز مشرف کو اگلے پانچ سال کیلئے صدرِ پاکستان منتخب کر کے بلدیاتی نظام کے دوام، جمہوریت کی بحالی، اصلاحات کو مستحکم اور جاری رکھنا، انتہاپسندی اور فرقہ واریت کا خاتمہ اور قائد اعظم کے نظریہ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں؟''[۶] جب ریفرنڈم کے سرکاری نتائج کا اعلان ہوا تو ۹۷.۵ فیصد ووٹ ''ہاں'' میں ڈالے گئے تھیں جس سے تمام لوگ حیران ہو گئے۔

صدارتی ریفرنڈم کے بعد آئینی ترامیم کا پیکج آیا۔ ۲۲ اگست ۲۰۰۲ء کو مشرف نے لیگل فریم ورک آرڈر جاری کیا جس کی بدولت آرمی کو حکومت کرنے کا بہانہ ملا۔ اس آرڈر کے تحت مشرف آئندہ پانچ سال کیلئے صدر بنا۔ اُس کو یہ اختیار بھی حاصل ہوا کہ وہ انفرادی طور پر حکومت کو اور قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا خاتمہ کر سکتا تھا۔ اسی آرڈر کے تحت نیشنل سکیورٹی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا جس میں فوجی افسران کی نمائندگی مختص اور حاوی تھی اور یہ کہ اس کونسل کے پاس ایک منتخب عوامی کابینہ سے زیادہ اختیارات تھے۔ ان ترامیم نے عوامی آزادی کو محدود کیا اور انتخابی عمل سے وابستہ انفرادی حقوق کے ساتھ ساتھ درمیانی طبقے کیلئے سیاسی قیادت کی راہیں بند کیں۔ ایک اور بڑی تبدیلی جو ان ترامیم کی وجہ سے رونما ہوئی وہ آرٹیکل اٹھاون-ٹو بی کی بحالی تھی جس کو نواز شریف نے اپنے دورِ اقتدار میں ختم کیا تھا اور بنیادی طور پر یہ مارشل لاء حکومت کا پیداوار تھا۔ اس آرٹیکل کی بحالی کو مشرف نے انتظام وانصرام چلانے کیلئے ایک اہم عنصر قرار دیا۔

اِن آئینی ترامیم کے علاوہ انتخابی قوانین اور طریقہ کار میں بھی خاصی تبدیلی آئی۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ کے انتخابات لڑنے کیلئے امیدواروں کیلئے کم از کم گریجویٹ ہونا لازمی قرار پایا۔[۷] جرم میں ملوث افراد، بینک دیوالیہ اور مقروض اور عدالتوں کی کاروائی سے کنارہ کش افراد کو بھی نااہل قرار دے دیا گیا۔ پرویز مشرف نے پاکستان میں آٹھویں عام انتخابات کا انعقاد ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو کیا۔ ان انتخابات میں کل ۷۳ سیاسی پارٹیوں نے حصہ لیا۔ تاہم قومی سطح پر پاکستان مسلم لیگ (ن)، پاکستان پیپلز پارٹی (پارلیمنٹیرین)، ایم ایم اے، پاکستان مسلم لیگ (ق) اور ایم کیو ایم بڑی سیاسی جماعتیں تھیں جو منظر عام پر آئیں۔ انتخابات سے پہلے مختلف سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے منشور کو متعارف کروا کر عوام کو مستقبل کے پروگرام اور لائحہ عمل سے آگاہ کیا۔ پاکستان مسلم لیگ (ق) نے اپنے منشور میں پرائمری سطح تک مفت تعلیم اور کتب کی فراہمی، صحت کی بنیادی سہولتوں کی دستیابی، ضلعی سطح تک عدلیہ کی مضبوطی، چھوٹے اور متوسط کاروبار کا فروغ جبکہ پی پی پی (پ) کی منشور میں نوجوانوں کیلئے اچھی اور تخلیقی سرگرمیوں کے مواقع، خواتین میں شرح خواندگی کا اضافہ، معاشی اور معاشرتی ناانصافی کا ازالہ وغیرہ شامل تھیں۔ ان انتخابات سے قبل مذہبی جماعتوں نے مل کر ایم ایم اے کی بنیاد رکھی۔ دینی سیاسی جماعتیں اپنے اختلافات عارضی طور پر ختم کر کے ایک ایجنڈے پر متفق ہوئیں اور ایک متحدہ سیاسی منشور کی اشاعت عمل میں آئی۔ ایم ایم اے کی منشور میں شرح خواندگی میں اضافہ، مڈل تک مفت اور لازمی تعلیم کا فروغ، دفاع کو مضبوط بنانا، ہر قسم کی بیرونی مداخلت کا سد باب، کشمیری عوام کو حق خودارادیت دلوانا، صنعتی ترقی کیلئے منصوبہ بندی کرنا، روزگار کے مواقع پیدا کرنا اور خواتین کو قرآن وسنت کے مطابق حقوق دلوانا شامل تھا۔

۲۰۰۲ء کے عام انتخابات میں لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے پسند کے سیاسی نمائندوں کو منتخب کروایا۔ قومی اسمبلی میں مسلم لیگ (ق) ۹۲ نشستوں پر کامیابی حاصل کر کے پہلی پوزیشن پر رہی۔ جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین نے ۶۳ اور ایم ایم اے نے ۴۷ نشستیں حاصل کیں۔ اسی طرح مسلم لیگ (ق) نے اکثریتی پارٹی بن کر مرکز میں کابینہ تشکیل دی۔ صوبائی سطح

پر انتخابات کے نتائج کچھ اس طرح تھے۔ صوبہ سرحد میں ایم ایم اے صوبائی اسمبلی کے ۹۹ نشستوں میں سے ۵۲ نشستوں پر کامیابی حاصل کر کے اکثریتی پارٹی بن کر سامنے آئی اور صوبہ سرحد میں اپنی حکومت تشکیل دی۔ پنجاب کے صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ (ق) نے ۲۹۷ نشستوں میں سے ۱۶۷ نشستیں حاصل کیں اور حکومت بنائی۔ سندھ کی صوبائی انتخابات کیلئے کل مختص کردہ نشستوں کی تعداد ۱۳۰ تھی۔ جس میں پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین نے ۵۱ نشستیں حاصل کیں۔ جبکہ بلوچستان میں مسلم لیگ (ق) نے ۵۱ نشستوں میں ۱۵ اور ایم ایم اے نے ۱۴ نشستیں حاصل کر کے مخلوط حکومت قائم کی۔

عام انتخابات ۲۰۰۲ء کا خاصہ یہ تھا کہ ان انتخابات میں گزشتہ دو عام انتخابات سے زیادہ ووٹروں نے اپنے ووٹ استعمال کیئے۔ اور بہت سے مثبت تبدیلیاں ہوئیں مثلاً لاکھوں نئے ووٹرز رجسٹرڈ ہو گئے، درجنوں سیاسی جماعتوں نے ایک دوسرے پر اعتبار کر کے سیٹوں کی ایڈجسٹمنٹ کی۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور صوبائی اسمبلیوں میں اراکین کے تعداد میں اضافہ ہوا، مرکزی اور صوبائی سطحوں پر خواتین کی نشستوں میں اضافہ کیا گیا، بہت سے نئے چہرے سیاست کے میدان میں نمودار ہوئے۔ تاہم دو بڑے سیاسی جماعتیں یعنی پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین اور نواز لیگ کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ دونوں جماعتیں اپنے قیادت سے محروم تھیں۔ مسلم لیگ (ق) کی حیران کُن کامیابی کے پیچھے اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھ نظر آ رہے تھے۔ اسی طرح ملک کی باگ ڈور (ق) لیگ کو میر ظفر اللہ خان جمالی کی قیادت میں سونپی گئی۔ جس کو بعد میں ہٹا کر شوکت عزیز کو وزیر اعظم بنایا گیا۔

۲۰۰۲ء عام انتخابات کے نتیجے میں جو پارلیمنٹ وجود میں آیا تھا۔ اُس نے پاکستان کی سیاسی تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنی پانچ سالہ مدت پوری کی۔ اگر چہ اس پارلیمنٹ کا کردار اتنا قابل ذکر اور کارآمد نہ تھا بحر حال اس نے ضرور جمہوری عمل کو دوام دینے میں اپنا کردار ادا کیا۔ صدر پرویز مشرف نے اگلے عام انتخابات ۸ جنوری ۲۰۰۸ء کو منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ ان انتخابات سے پہلے ملک بہت سے مسائل سے دوچار تھا۔ عام طور پر یہ تاثر ظاہر کیا گیا کہ یہ انتخابات نہیں ہوں گے کیونکہ ملک میں روز بڑھتی ہوئی دہشت گردی، بم دھماکے اور سکیورٹی کا فقدان اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ ملک کی ساکھ کو اندرونی اور بیرونی خطرات لاحق تھے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی رہنما محترمہ بینظیر بھٹو اپنے پارٹی کی طرف سے انتخابی مہم میں مصروف عمل تھی۔ وہ اس انتخابی عمل کے سلسلے میں ۲۷ دسمبر کو لیاقت باغ راولپنڈی میں ایک بہت بڑے جلسے سے خطاب کر کے سٹیج سے اتر کر اپنی گاڑی کی طرف رواں دواں تھی۔ جونہی وہ گاڑی میں سوار ہوئی اور گاڑی چل پڑی تو چند لمحے بعد وہ قاتلانہ حملے اور خودکش بم دھماکے کی نظر ہوگئی۔ محترمہ کی شہادت نے ملک میں جو سیاسی خلاء پیدا کیا اس سے انتخابی سیاست پر بلاواسطہ منفی اثرات مرتب ہوئے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں احتجاجی مظاہروں اور توڑ پھوڑ کے دوران سرکاری عمارتوں اور خاص کر انتخابی دفاتر اور پولنگ سٹیشنوں کو نظر آتش کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے موجودہ بیلٹ بکس، ووٹرز سکریز، ووٹروں کی فہرستیں، پولنگ سکیمیں اور دیگر الیکشن میٹریل مکمل طور پر جل کر ضائع ہوگیا۔ ہنگاموں اور کشیدہ حالات کے باعث بیلٹ پیپرز اور الیکشن میٹریل کی متعلقہ علاقوں تک ترسیل کے کام

میں بھی رکاوٹ پیدا ہوگئی اسی وجہ سے حکومت نے عام انتخابات میں تاخیر کا اعلان کیا اور ۱۸ فروری کو عام انتخابات کرانے کے احکامات صادر کیے۔[۸]

بے نظیر کی شہادت سے پیپلز پارٹی بلاشبہ ایک غیر معمولی قیادت سے محروم ہوگئی۔ آنیوالے انتخابات میں حصہ لینے یا نہ لینے کا اہم سوال پیپلز پارٹی کے سامنے اُبھر کر آیا۔ تاہم پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے صلاح ومشورہ کے بعد انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ بلاول بھٹو زرداری کو پارٹی کا نیا چیئرمین نامزد کیا گیا۔ اس کی معاونت اور رہنمائی کیلئے ایک مشاورتی گروپ بھی تشکیل دے دیا گیا۔ تاہم آصف علی زرداری کو پارٹی کا شریک چیئرمین پرسن بنایا گیا تا کہ بلاول کی تعلیم مکمل کرنے تک وہ پارٹی قیادت عملی طور پر سنبھالے۔

۱۸ فروری کو ملک بھر میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کیلئے بیک وقت انتخابات کا انعقاد ہوا۔ ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ کوئی پارلیمنٹ اپنی پانچ سالہ مدت پوری کر کے رخصت ہوئی۔ ایک طرف ان انتخابات میں ملک کی تین بڑی سیاسی جماعتوں یعنی مسلم لیگ (ق)، پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) نے چاروں صوبوں سے اپنے اُمیدوار کھڑے کیے۔ جبکہ ایم کیو ایم، اے این پی، اور پی پی پی شیر پاؤ نے بھی مختلف حلقوں سے اپنے اُمیدوار نامزد کیے۔[۹] دوسری طرف اے پی ڈی ایم جس میں پاکستان تحریک انصاف، جماعت اسلامی، پونم اور دوسرے بلوچ قوم پرست جماعتیں شامل تھیں، نے ان انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ اے پی ڈی ایم نے مہنگائی، غربت، لوڈشیڈنگ اور انتخابات کے بائیکاٹ کے لئے ملک بھر میں جلسوں، جلوسوں اور سیمینارز کا انعقاد کیا۔

ان انتخابات میں قومی اسمبلی کی ۲۷۲ عام نشستوں کیلئے تقریباً دو ہزار سے زائد امیدواران نے اپنے کاغذات نامزدگی جمع کروائے جن میں سے صوبہ پنجاب میں قومی اسمبلی کی ۱۴۸ نشستوں کیلئے ۱۰۸۴ صوبہ سندھ میں ۶۱ قومی اسمبلی کی نشستوں کیلئے ۶۰۸ اُمیدوار، صوبہ سرحد کی ۳۵ نشستوں کیلئے ۲۷۰، صوبہ بلوچستان کی ۱۴ نشستوں کیلئے ۱۴۴، فاٹا اور قبائلی علاقوں کی ۱۲ نشستوں کیلئے ۱۷۴ اور اسلام آباد کی دو نشستوں کیلئے ۳۴ اُمیدواران نے کاغذات نامزدگی جمع کروائیں۔ قومی اسمبلی کے عام نشستوں کے علاوہ اقلیتوں کیلئے ۱۰ اور خواتین کیلئے ۶۰ نشستیں مختص کی گئیں۔[۱۰]

انتخابات ۲۰۰۸ء کے سلسلے میں انتخابی مہم بم دھماکوں، خودکش حملوں اور دہشت گردی کے خوف اور خطرات کے باوجود مسلسل جاری رہی۔ اگرچہ عوام ملک میں دہشت گردی اور سکیورٹی کی عدم دستیابی سے پیدا ہونے والی غیر یقینی صورتحال سے دو چار تھے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں تخریب کاری، شمالی وجنوبی وزیرستان، سوات اور صوبہ سرحد کے اکثر اضلاع کے علاوہ بلوچستان میں دہشت گردوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں، سکیورٹی اہلکاروں پر حملوں اور افسروں اور اعلیٰ اہلکاروں کی اغواء کے وارداتوں، راولپنڈی اور لاہور میں خودکش بم دھماکوں کے بعد ۲۷ دسمبر کو لیاقت باغ میں محترمہ کی شہادت، پارا چنار میں پیپلز پارٹی کے اُمیدوار کے انتخابی دفتر پر خودکش حملے اور درجنوں افراد کی ہلاکت اور زخمی ہونے کے علاوہ انتخابی مہم کے آخری مرحلے پر

لاہور میں مسلم لیگ (ن) کے ایک امیدوار کی ہلاکت ایسے واقعات ہیں، جن کے باعث انتخابی مہم میں ماضی کی طرح جوش و خروش دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ صورتحال عوام میں جان و مال کے عدم تحفظ کے احساس میں اضافہ کرتی رہی۔ حکومت کی طرف سے ملک گیر سطح پر حفاظتی اقدامات میں اضافہ کرنے، حساس پولنگ سٹیشنوں اور شہروں میں فوج اور رینجرز کی تعیناتی اور انتخابی فضا کو پر امن اور محفوظ بنانے کیلئے تمام ممکنہ اقدامات کے باوجود امن وامان کے حوالے سے تحفظات اور خدشات میں کمی نہیں آئی۔[11] تاہم انتخابات کے روز کوئی بڑا سانحہ پیش نہیں آیا۔ اور یہ دن پُر امن طریقے سے گزر گیا۔ انتخابی مہم کے دوران تینوں بڑی سیاسی جماعتوں مسلم لیگ (ن) پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ق) نے ملک بھر میں جلسوں، جلوسوں، سیمینارز اور کارنر میٹنگز کا انعقاد کیا۔ تمام سیاسی پارٹیاں کے رہنما ملک بھر میں انتخابی سرگرمیوں میں متحرک تھیں۔[12]

پاکستان مسلم لیگ (ن) نے انتخابی مہم کے دوران اپنی پارٹی کے مستقبل کی پالیسیوں کو عوام کے سامنے رکھا۔ اس جماعت کی قیادت نے عوام سے وعدہ کیا کہ اقتدار میں آنے کے بعد وہ معزول ججوں کی بحالی، عدلیہ کی آزادی اور میڈیا پر عائد پابندیوں کو ختم کرنے کیلئے عملی اور مثبت اقدامات کرے گی۔ نواز شریف نے پاکستان کے سیاسی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے عوام کو اس حقیقت سے روشناس کیا کہ پاکستان میں سیاسی عدم استحکام کی سب سے بڑی وجہ سیاست میں فوج کا مداخلت ہے۔ پیپلز پارٹی نے اپنے انتخابی منشور میں سماجی ناانصافی کا ازالہ، بے روزگاری کا خاتمہ، تعلیم کی فروغ اور طبقاتی نظام کے خاتمے کو ترجیحاتی بنیادوں پر رکھا۔ محترمہ کی شہادت بلاشبہ عوام کیلئے بالعموم اور پیپلز پارٹی کیلئے بالخصوص بہت بڑا المیہ ثابت ہوئی۔ انتخابی مہم کے دوران پارٹی کے رہنماؤں نے محترمہ کے قاتلوں کا سراغ لگانے اور ان تمام عناصر کو کڑی سزا دینے کا تہیہ کر لیا جو کہ بے نظیر کے قتل میں ملوث تھے۔ مسلم لیگ (ق) نے بھی پارٹی منشور کی اشاعت میں کوئی تاخیر نہیں کی اور اپنے پانچ سالہ دورِ حکومت میں کئے گئے مختلف ترقیاتی کاموں مثلاً تعلیم کی ترویج، نئے ہسپتالوں اور بنیادی صحت کے مراکز کا قیام، مختلف حادثات سے بچنے کیلئے ریسکیو ٹیموں کی تقرری وغیرہ کو عوام کے سامنے رکھ کر ووٹ حاصل کرنے کا پروگرام آگے بڑھایا۔ اگرچہ مسلم لیگ (ق) کی انتخابی مہم بہت زور و شور کے ساتھ جاری تھی اور بلاشبہ اس جماعت کے ساتھ حکومت کی ہمدردیاں بھی وابستہ تھیں تاہم ۲۷ دسمبر کے بعد (ق) لیگ کے انتخابی سرگرمیوں پر بلاواسطہ کافی منفی اثرات پڑے۔ ملک کے مختلف حصوں میں عام طور پر یہ تاثر اُبھر کر سامنے آیا کہ محترمہ کے قتل میں مسلم لیگ (ق) کا ملوث ہونا شک وشبے سے خالی نہیں۔ علاوہ ازیں پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین آصف علی زرداری نے اپنے ایک بیان میں (ق) لیگ کو "قاتل لیگ" کے نام سے یاد کیا جس کے بعد پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور اراکین میں مسلم لیگ (ق) کیلئے اور بھی نفرت بڑھ گئی۔ نتیجتاً مسلم لیگ (ق) کے انتخابی دفتروں، بینروں اور پوسٹروں کو جلا دیا گیا۔ اسی طرح اس جماعت کا انتخابی مہم جو کسی بھی سیاسی جماعت کے سرگرمیوں سے کم نہ تھی، بڑی حد تک متاثر ہوئی۔ (ق) لیگ کے جلسوں اور جلوسوں میں وہ جان نہ رہی جو ۲۷ دسمبر سے پہلے تھی۔ بعد ازاں اس جماعت کی انتخابی مہم زیادہ تر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا تک محدود رہی۔ ان تین بڑی سیاسی جماعتوں کے علاوہ ملک کے دوسرے قوم پرست اور علاقائی جماعتوں نے بھی اپنی اپنی

انتخابی مہم چلائی۔صوبہ سرحد میں عوامی نیشنل پارٹی جو کہ ۲۰۰۲ء کے عام انتخابات میں بُری طرح متاثر ہو چکی تھی اور پس منظر میں چلی گئی تھی، ایک بار پھر سیاسی سٹیج پر متحرک اور نمایاں نظر آئی۔ اے این پی کے سیاسی منشور میں دوٹوک الفاظ سے اس بات کی نشاندہی کی گئی کہ کسی بھی معاشی اور سماجی ناانصافی کو برداشت نہیں کیا جائے گا اور اس ضمن میں صوبائی خودمختاری پر بالخصوص زور دیا۔اسی طرح صوبہ سندھ میں ایم کیوایم اور بلوچستان میں بی این پی اور دیگر قوم پرست جماعتوں نے وفاق سے صوبوں کے حقوق حاصل کرنے پر کوئی سمجھوتہ نہ کرنے کا اعلان کیا۔انتخابی مہم کے حوالے سے اے پی ڈی کا بائیکاٹ بھی بڑی اہمیت کا حامل رہا۔ کیونکہ اس اتحاد میں شامل تمام جماعتیں انتخابی سرگرمیوں کے دوران ساکن نہیں رہیں بلکہ ایک بھرپور مہم کے آغاز کا اعلان کیا۔ملک کے مختلف حصوں میں جلسوں، جلوسوں، کارنر میٹنگز اور پریس کانفرنسوں کے دوران اے پی ڈی ایم نے واضح کیا کہ جب تک پاکستان میں ۱۹۷۳ء آئین کی بحالی، عدلیہ کی آزادی، معزول ججوں کی بحالی، پریس اور میڈیا پر عائد پابندیوں کا خاتمہ، مہنگائی، غربت، بے روزگاری، لوڈشیڈنگ اور آٹے کی قلت کے خاتمے کو عمل میں نہیں لایا گیا، تو وہ اپنے تحریک کو برقرار رکھے گی۔

انتخابات ۱۸ فروری ۲۰۰۸ء کی واضح صورت اُس وقت سامنے آئی جب الیکشن کے نتائج کا اعلان ہوا۔ملک کے تمام صوبوں ماسوائے صوبہ سندھ کے کوئی بھی سیاسی جماعت واضح اکثریت حاصل نہ کر سکی۔قومی اسمبلی کی ۲۷۲ عام نشستوں میں ۴ پر انتخابات ملتوی ہونے کے بعد ۲۶۸ نشستوں میں سے پیپلز پارٹی نے ۸۸، مسلم لیگ (ن) نے ۶۶ اور مسلم لیگ (ق) نے ۴۲، ایم کیوایم نے ۱۹، اے این پی نے ۱۰ اور ایم ایم اے نے ۵، مسلم لیگ فنکشنل نے ۴، بی این پی (اے) اور پیپلز پارٹی (شیر پاؤ) نے ایک ایک نشست پر کامیابی حاصل کی۔ جبکہ ۳۳ آزاد امیدوار کامیاب ہوئیں۔صوبائی سطح پر انتخابات میں سندھ اسمبلی کی ۱۳۰ نشستوں میں پیپلز پارٹی نے سب سے زیادہ یعنی ۶۹ نشستیں حاصل کیں۔ ایم کیوایم نے ۳۸، مسلم لیگ (ق) نے ۹، مسلم لیگ (فنکشنل) نے ۷، این پی پی نے ۳ اور اے این پی نے ۲ حلقوں میں کامیابی حاصل کی۔ پنجاب اسمبلی کی ۲۹۳ نشستوں میں سب سے زیادہ یعنی ۱۰۸ نشستوں پر مسلم لیگ (ن) کو کامیابی حاصل ہوئی۔پیپلز پارٹی نے ۷۸، مسلم لیگ (ق) نے ۶۶، ایم ایم اے نے ۲ جبکہ ۳۹ آزاد امیدوار جیت گئے۔ سرحد اسمبلی میں اے این پی کو تاریخی کامیابی حاصل ہوئی۔اس جماعت نے ۳۱، پیپلز پارٹی نے ۱۷، ایم ایم اے نے ۹، مسلم لیگ (ق) نے ۶، مسلم لیگ (ن) نے ۵ نشستیں حاصل کیں۔ جبکہ ۱۸ آزاد اُمیدوار جیت گئیں۔ بلوچستان میں صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ (ق) کو قابلِ ذکر کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلم لیگ (ق) نے صوبائی اسمبلی کی کل ۵۱ نشستوں میں سے ۱۷، پی پی پی نے ۷، اے این پی نے ۱، مجلس عمل نے ۶، بی این پی (اے) نے ۵ اور آزاد اُمیدواروں نے ۱۰ نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔[۱۳]

۲۰۰۸ء کے عام انتخابات میں قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی نے واضح برتری اور مسلم لیگ (ن) نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ انتخابی نتائج کے مطابق مسلم لیگ (ق) کے صدر چوہدری شجاعت حسین سمیت سابق وفاقی کابینہ کے ۲۲ وزراء کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ انتخابات کے نتائج نے واضح کر دیا کہ پاکستان کی بہت بڑے سیاسی شخصیات شکست سے دو چار ہوئیں۔

سیالکوٹ سے قومی اسمبلی کے سپیکر چوہدری امیر حسین، لاہور سے پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل جہانگیر بدر، پی پی پی شہید بھٹو گروپ کی سربراہ غنویٰ بھٹو، حامد ناصر چٹھہ، سابق وزیر اعلیٰ سندھ شعبان میرانی، ڈیرہ اسماعیل خان کے حلقے سے ایم ایم اے کے رہنماء مولانا فضل الرحمٰن، مولانا عبدالغفور حیدری، فخر امام، بیگم عابدہ حسین اور صغریٰ امام الیکشن ہار گئیں، جن دیگر شخصیات کو الیکشن کا جھٹکا لگا ان میں سے سابق وفاقی کابینہ کے وزراء میں سے راؤ سکندر اقبال، نوریز شکور، اعجاز الحق، شیخ رشید احمد، لیاقت علی جتوئی، اویس احمد لغاری، اسحاق خاکوانی، سکندر حیات بوسن، غلام سرور خان، خالد احمد لوند، علی اسجد ملہی، خورشید محمود قصوری، محمد نصیر خان، ہمایوں اختر خان، چوہدری شہباز حسین، خسرو بختیار، ڈاکٹر شیر افگن، وصی ظفر اور یار محمد رند شامل تھے۔ قومی اسمبلی میں جن رہنماؤں کو کامیابی حاصل ہوئی اُن میں سے اسفندیار ولی، آفتاب احمد خان شیر پاؤ، مخدوم جاوید ہاشمی، بلوچستان کے سابق وزیر اعلیٰ جام محمد یوسف، منظور وٹو، شاہ محمود قریشی، یوسف رضا گیلانی، مخدوم امین فہیم، سردار آصف احمد علی، چوہدری پرویز الٰہی خواجہ سعد رفیق، فیصل صالح حیات، ڈاکٹر فاروق ستار، راجہ پرویز اشرف، شاہد خاقان عباسی، عبدالقادر بلوچ (ریٹائرڈ لیفٹیننٹ) اور سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ سردار علی محمد مہر شامل تھے۔[۱۴]

اگرچہ پاکستان میں یکے بعد دیگرے عام انتخابات ہوتے رہے مگر ان انتخابات کے باوجود ہمارے ملک میں سیاسی استحکام اور عوام میں سیاسی شعور اور آگاہی کی کمی موجود ہے۔ انتخابات جو کہ جمہوری عمل اور جمہوریت کو دوام بخشتے ہیں اس لیے ہر ایک سیاسی معاشرے میں اس طرز عمل کو اپنایا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان میں انتخابات تو ہوتے رہتے ہیں مگر یہ انتخابات کسی خاص طبقہ کی حکومت کو قانونی حیثیت دینے کیلئے استعمال کیے جاتے ہیں۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اکثر انتخابات فوج کی حکومت کو مستحکم اور طوالت دینے کی غرض سے منعقد کیے جاتے ہیں۔ تاہم جب تک مندرجہ ذیل سفارشات کو خاص توجہ نہ دی جائے تب تک مثبت نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ صاف اور شفاف انتخابات کیلئے لازمی ہے کہ ملک کے تمام جمہوری ادارے آزاد اور کسی بھی بیرونی دباؤ سے مبرّا ہوں۔ پاکستان میں فوجی قیادت نے بار بار سیاست میں مداخلت کی اور اب تو وہ حکومت کا ایک لازمی عنصر کے طور پر سامنے آیا ہے۔ جب تک فوجی قیادت کو سیاسی قیادت کے ماتحت نہیں بنایا جاتا اس وقت تک سیاسی استحکام کو دوام نہیں ملے گا۔ انتخابات ہمیشہ ایک ایسے نگران حکومت کے تحت منعقد کئے جائیں جو خود غیر جانبدار اور کسی بھی سیاسی جماعت کے ساتھ ہمدردیاں نہ رکھے۔ اس کے علاوہ آزاد اور بااختیار الیکشن کمیشن جو کسی بھی قسم کے دباؤ سے آزاد ہو، کا ہونا ازحد ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱- G.W. Choudhary, *The Last Days of United Pakistan* (London: D. Hurt and Company, 1974), p. 113.

۲- Idrees Bakhtiar and Zafar Abbas, "Day of the Jackal", *Herald*, August, 1994.

۳- Mohammad Shakeel Ahmad, "Electoral Politics in Pakistan with Special Reference to Hazara Region of NWFP (1988-2002)" M.Phil Thesis (Islamabad: NIPS, 2003), p. 30.

۴- Commonwealth Secretariat, *Pakistan National and Provincial Elections 10 October 2002,* Report of the Commonwealth Observer Group, p. 8.

۵- ایضاً۔

۶- Andrew. R. Wilder, "Election 2002: Legitimizing the Statusquo", in Craig Baxter, ed. *Pakistan on the Brink: Politics, Economics and Society* (Karachi: Oxford University Press, 2004), p. 106.

۷- Government of Pakistan, *Legal Framework 2002: Chief Executive's Order No. 24 of 2002* (Islamabad: Ministry of Law Justice, Human Rights and Parliamentary Affairs, 2002), p. 15.

۸- روزنامہ جنگ، راولپنڈی، مورخہ ۳ جنوری ۲۰۰۸ء۔

۹- روزنامہ خبریں، اسلام آباد، مورخہ ۱۲ جنوری ۲۰۰۸ء۔

۱۰- ایضاً۔

۱۱- روزنامہ جنگ، راولپنڈی، مورخہ ۱۹ فروری ۲۰۰۸ء۔

۱۲- ایضاً، راولپنڈی، مورخہ ۱۶ فروری ۲۰۰۸ء۔

۱۳- ایضاً، راولپنڈی، مورخہ ۲۱ فروری ۲۰۰۸ء۔

۱۴- ایضاً، راولپنڈی، مورخہ ۲۰ فروری ۲۰۰۸ء۔